2/25 44297 3/5

استفتاء

میں ایک مدرسے کا مہتمم ہوں رہائشی طلبہ کی تعداد ایک سو تیس (۱۳۰) اور اساتذہ کی تعداد دس ایک باورچی ہے

میرا ذمہ داری: ① جمعہ کی خطبہ پڑھنا میرا ذمہ ہے ② باقاعدہ ایک استاذ کی حیثیت سے پانچ گھنٹے پڑھاتا ہوں ③ مہتمم کی حیثیت سے مدرسہ کے تمام اخراجات پورا کرتا ہوں۔ دوسری طرف میرا فیملی گیارہ (۱۱) افراد پر مشتمل ہیں ذاتی کام کیلئے میں بالکل فارغ نہیں ہوں ورنہ مدرسہ کے نظام میں خلل واقع ہو سکتا ہے بلکہ تقریبا واقع ہوتا ہے۔ اور مدرسہ کی طرف سے جو تنخواہ میں لیتا ہوں وہ سترہ (۱۷) ہزار روپیہ ہیں۔ اس میں کھانے پینے سے لیکر دیگر ضروریات تک بمشکل مہینہ گذرتا ہے اگر کبھی بیماری یا مہمان یا لباس کی ضرورت پیش آجائے تو میں اس مہینے میں قرض لینے کو مجبور ہوتا ہوں حتی کہ اس وقت بھی میں ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ قرضدار ہوں۔ اس صورت حال میں میرے لئے کیا کرنا چاہیے؟

مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کوئی صورت میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟ یا آپ حضرات کوئی تجویز بتا دے۔

① تمام ضروریات میں مدرسہ سے پورا کر سکتا ہوں۔ یا کتنا تنخواہ لینا چاہیے؟

② کیا تین (۳) چار (۴) سال کا تنخواہ میں ایڈوانس میں لئے سکتا ہوں تاکہ کسی دوسرے شخص کو بطور مضاربت وغیرہ دیا دو؟

③ کیا مدرسہ کے رقم مدرسہ ہی کے نفع کیلئے بطور مضاربت یا شراکت دے سکتا ہوں یا نہیں؟

④ جب مدرسہ کے رقم مدرسہ کے نفع کیلئے میں نے زید کو دیا تھا اب مدرسہ یا زید یا دونوں سے میں کمیشن لئے سکتا ہوں؟

⑤ کیا مہتمم مدرسہ سے کچھ مدت کیلئے مدرسہ کے رقم قرض لئے سکتا ہے یا نہیں؟

⑥ کسی دوسرے کو مہتمم قرض دے سکتا ہے؟

المستفتی بندہ عبد الحلیم رالطاہر
0312-8300961
پتہ۔ مدرسہ دار العلوم حیدریہ [illegible]

دار الافتاء
فتوی نمبر ۸۳/۱۶۹۵

(جواب منسلک ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً

(1)۔۔۔سوال میں ذکر کردہ تفصیل اگر واقعۃً درست ہے اور آپ مدرسہ کے مہتمم ہونے کی حیثیت سے باقاعدہ پابندی کے ساتھ مدرسہ ہی کے کام میں مصروف ہوتے ہیں اور اپنے ذاتی کام کے لیے آپ کو بالکل بھی وقت نہیں ملتا اور مذکورہ تنخواہ میں آپ کا گزر بسر مشکل سے ہوتا ہے تو ایسی صورت میں مدرسہ کی انتظامیہ کمیٹی اگر آپ کی ذمہ داریوں کو دیکھتے ہوئے اپنے مدرسہ کی مصلحت اور قریبی مدارس کے عرف کے مطابق مناسب سمجھے کہ آپ کی تنخواہ بڑھادی جائے اور مدرسہ کے فنڈ میں بھی اس کی گنجائش ہو تو ایسی صورت میں آپ کی تنخواہ میں مناسب حد تک اضافہ کیا جاسکتا ہے، اگر انتظامیہ کمیٹی نہیں ہے تو بنالینی چاہیے اور باہمی مشورہ سے تنخواہ مقرر کرنے کے لیے یا اضافہ کے لیے کوئی ضابطہ یا طریقہ کار طے کرنا چاہیے، لیکن اپنی تمام تر ضروریات، مدرسہ کے فنڈ سے پورا کرنے کی اجازت نہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ چونکہ آپ تدریس بھی کررہے ہیں اور اہتمام کی خدمت بھی انجام دے رہے ہیں، اس لیے بحیثیت مدرس وہ تنخواہ لے سکتے ہیں جو آپ جیسے دوسرے اساتذہ کو مل رہی ہو اور اہتمام کی خدمت کا معاوضہ علیحدہ سے مقرر کیا جاسکتا ہے جو عرف اور مدرسہ کی مصلحت کے مطابق ہو۔(متعلقہ عبارات: 1تا5)

(2)۔۔۔واضح رہے کہ ایڈوانس (پیشگی) تنخواہ فقہی اعتبار سے "قرض" ہے، اور مدرسہ کے مال سے قرض لینے اور دینے کے بارے میں کچھ تفصیل ہے جو سوال نمبر (6،5) کے جواب میں آگے آرہی ہے۔

(3)۔۔۔مدرسہ میں چندہ دینے والوں کا اصل مقصد چونکہ اس چندہ کو اس کے مصرف تک پہنچانا ہے، لہذا اس چندہ کی رقم کو تجارت میں لگانا جائز نہیں ہے، اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس طرح کرنے سے چندہ کی رقم مصرف تک پہنچانے میں بلاوجہ تاخیر ہوگی، البتہ اگر چندہ کی رقم مدرسہ کے فنڈ سے واقعۃً زائد ہو اور فی الحال اس کی کوئی ضرورت بھی نہ ہو تو پھر چند شرائط کے ساتھ اس زائد رقم کو تجارت میں لگانا جائز ہے، وہ چند شرائط درج ذیل ہیں:

1۔ چندہ دینے والوں کی طرف سے مدرسہ کے متولی کو اس کی اجازت ہو۔

2۔ مدرسہ کی منتظمہ کمیٹی کی طرف سے بھی اس کی اجازت ہو، اگر کمیٹی نہ ہو تو اس کے لیے الگ سے کوئی کمیٹی تشکیل دے کر اس کی منظوری لی گئی ہو۔

دار الافتاء

(جاری ہے۔۔۔)

Scanned by CamScanner

3۔جو رقم مدرسہ یا طلباء کی حاجت کی ہو، اسے مدرسہ میں خرچ کیا جائے، ایسی رقم کاروبار میں لگانا جائز ہی نہیں، ہاں جو رقم طلبہ اور مدرسہ کی حاجات سے بالکل زائد ہو، بے کار پڑی ہوئی ہو، اسے شرائط کے ساتھ لگانے کی گنجائش ہے۔

4۔زائد رقم کاروبار میں لگانا مدرسہ کے مفاد میں ہو، یعنی اصل مقصد مدرسہ کے مال میں اضافہ ہو یا مدرسہ کی رقم ضائع ہونے سے محفوظ رکھنا ہو، کسی ذاتی مقصد کے لیے نہ ہو۔

5۔زائد رقم ایسے کاروبار میں لگائی جائے جس میں نفع کا تقریباً یقین ہو۔

6۔جو زائد رقم تجارت میں لگائی جائے، اس کا نفع مدرسہ کی ضرورت اور مصالح ہی میں خرچ کیا جاتا ہو۔

7۔رقم اتنی مدت تک تجارت میں نہ لگائی جائے جس سے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہو۔

مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ مدرسہ کے فنڈ کو تجارت میں لگانا جائز ہے، تاہم یہ بات واضح رہے کہ جب تک زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقم کی شرعی تملیک نہ ہو جائے، اس وقت تک ان کو تجارت میں لگانا جائز نہیں ہوگا اور اس طرح زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوگی۔(ماخذہٗ تبویب بتصرف:3/1434)(متعلقہ عبارات:6تا10)

(4)۔۔۔صورتِ مسئولہ میں اگر انتظامیہ کمیٹی کی اجازت سے کمیشن پہلے سے طے ہوا تھا اور وہ عرف سے زیادہ نہیں تھا تو مدرسہ سے وہ کمیشن لینا جائز ہے، لیکن اگر پہلے سے انتظامیہ کمیٹی کی اجازت سے کمیشن طے نہیں ہوا تھا تو اب مدرسہ سے انتظامیہ کی اجازت کے بغیر کمیشن لینا جائز نہیں، البتہ آپ زید سے بطور کمیشن اجرت باہمی رضامندی سے طے کر کے لے سکتے ہیں، خواہ عرف سے زیادہ ہو یا کم۔

(متعلقہ عبارات:11تا13)

(6،5)۔۔۔مدرسہ کی رقم اسی مصرف میں خرچ کرنا لازم ہے جس مصرف کے لیے وہ دی گئی ہے، ذاتی مقاصد کے لیے نہ خود قرض لینا جائز ہے، نہ کسی دوسرے کو بطور قرض دینا جائز ہے، کیونکہ چندہ دینے والوں نے یہ رقم مدرسہ کے لیے دی ہے، کسی کو قرض دینے کے لیے نہیں دی، اس لیے جو رقم جس مصرف کے لیے دی ہے، وہ رقم وہیں استعمال کرنا لازم ہے، البتہ اگر قرض دینے کی سخت ضرورت ہو اور درج ذیل شرائط پائی جائیں تو مدرسہ کی رقم قرض میں دینے کی گنجائش ہے، وہ شرائط درج ذیل ہیں:

1۔۔مدرسہ کی رقم مدرسہ کی ضروریات سے زائد ہو۔

دار الافتاء

(جاری ہے۔۔۔)

00242

Scanned by CamScanner

2۔۔مدرسہ کے قواعد و ضوابط میں اس کی اجازت ہو یا بروقت مجلس منتظمہ سے اس کی اجازت لی جائے۔

3۔۔قرض ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو، نیز ضرورت پڑنے پر فوراواپس مل جائے۔

4۔۔قرض صرف مدرسہ کے افراد ہی کو دیا جائے۔

5۔۔قرض دینے میں مدرسہ ہی کا فائدہ اور مصلحت ہو، یعنی قرض نہ دینے کی بنسبت قرض دینا مدرسہ کے لیے فائدہ مند ہو، ذاتی تعلقات یا ذاتی مفاد پیش نہ ہو۔

6۔۔قرض لینے والے سے معتبر و معتمد ضامن بھی لیا جائے کہ اگر قرض لینے والا ادائیگی نہ کرے تو وہ ادا کرے۔

7۔۔تملیک شدہ رقم یا عام عطیات سے قرض دیا جائے، زکوۃ یا صدقات واجبہ نہ ہوں۔

اور سب سے بہتر ہے کہ قرض دینے کے لیے علیحدہ فنڈ قائم کیا جائے جس سے مندرجہ بالا شرائط کے مطابق قرض دیا جائے۔(ماخذہٗ تبویب:63/1602)،(متعلقہ عبارات:14تا18)

(١)عمدة القاري شرح صحيح البخاري - (١٧ / ٢٨٧)

لما استخلف أبو بكر رضي الله تعالى عنه أصبح غاديا إلى السوق على رأسه أثواب يتجر بها فلقيه عمر بن الخطاب وأبو عبيدة بن الجراح رضي الله تعالى عنهما فقالا كيف تصنع هذا وقد وليت أمر المسلمين قال فمن أين أطعم عيالي قالا نفرض لك ففرضوا له كل يوم شطر شاة وفي الطبقات عن حميد بن هلال لما ولي أبو بكر قالت الصحابة رضي الله تعالى عنهم افرضوا للخليفة ما يغنيه قالوا نعم برداه إذا أخلقهما وضعهما وأخذ مثلهما وظهره إذا سافر ونفقته على أهله كما كان ينفق قبل أن يستخلف فقال أبو بكر رضيت وعن ميمون قال لما استخلف أبو بكر جعلوا له ألفين فقال زيدوني فإن لي عيالا فزادوه خمس مائة فقال أما أن يكون ألفين فزادوه خمس مائة أو كانت ألفين وخمس مائة فزاده خمسمائة.

(٢)حاشية ابن عابدين (رد المحتار) - (٦ / ٧١٣)

وبه أفتى في الخيرية ناقلا عن البحر أن القيم يستحق أجر سعيه سواء شرط له أو لا لأنه لا يقبل القوامة ظاهرا إلا بأجر والمعهود كالمشروط اهـ.

(جاری ہے۔۔۔)

002581

Scanned by CamScanner

(٣)تكملة حاشية رد المحتار – (١ / ٤٧١)

مطلب: للناظر ما عينه له الواقف وإن زاد على أجر مثله قلت: وهذا فيمن لم يشترط له الواقف شيئا.

وأما الناظر بشرط الواقف فله ما عينه له الواقف ولو أكثر من أجر المثل كما في البحر، ولو عين له أقل فللقاضي أن يكمل له أجر المثل بطلبه كما بحثه في أنفع الوسائل ا هـ. وتمامه ثمة.

(٤)الأشباه والنظائر – حنفي – (١ / ٤٠١)

ومنها : عامل الزكاة يستحق أجر مثل عمله بقدر ما يكفيه ويكفي أعوانه.

(٥)تنقيح الفتاوى الحامدية – (٣ / ٨٤)

(سئل) في ناظر وقف أهلي مقرر في وظيفة النظر بموجب صك من قبل قاض شرعي لم يجعل له شيئا في مقابلة عمله في الوقف من ريعه ولا شرط له الواقف شيئا وعمل في الوقف فهل يستحق أجرة المثل إذا عمل في مقابلة عمله ؟ (الجواب) : نعم (أقول) قال في البحر وأما بيان ماله فإن كان من الواقف فله المشروط ولو كان أكثر من أجرة المثل وإن كان منصوب القاضي فله أجر مثله واختلفوا هل يستحقه بلا تعيين القاضي فنقل في القنية أولا إن القاضي لو نصب قيما مطلقا ولم يعين له أجرا فسعى فيه سنة فلا شيء له وثانيا إن القيم يستحق أجر مثل سعيه سواء شرط له القاضي أو أهل المحلة أجرا أو لا ؛ لأنه لا يقبل القوامة ظاهرا إلا بأجر والمعهود كالمشروط ا هـ ووفق الخير الرملي في حواشيه بحمل القول الأول على ما إذا لم يكن معهودا.

(٦)تفسير القرطبي – (٧ / ١٢٠)

العاشرة – قوله تعالى : ﴿ولا تقربوا مال اليتيم إلا بالتي هي أحسن﴾ **أي بما فيه صلاحه وتثميره وذلك بحفظ أصوله وتثمير فروعه وهذا أحسن الأقوال في هذا فإنه جامع، قال مجاهد:** ﴿ولا تقربوا مال اليتيم إلا بالتي هي أحسن﴾ **بالتجارة فيه ولا تشتري منه ولا تستقرض.**

(٧)درر الحكام في شرح مجلة الأحكام – (١ / ٩٦)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بلا إذنه هذه المادة مأخوذة من المسألة الفقهية (لا يجوز لأحد التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته) الواردة في الدر المختار.

دار الافتاء

(جاری ہے---)

10214

Scanned by CamScanner

(٨)الفتاوى الهندية – (٥ / ٣٢٠)

وسئل الخجندي عن قيم المسجد يبيح فناء المسجد ليتجر القوم هل له هذه الإباحة؟ . فقال: إذا كان فيه مصلحة للمسجد فلا بأس به إن شاء الله تعالى قيل: له لو وضع في الفناء سررا فآجرها الناس ليتجروا عليها وأباح لهم فناء ذلك المسجد هل له ذلك فقال: لو كان لصلاح المسجد فلا بأس به إذا لم يكن ممرا للعامة.

(٩)البحر الرائق، دارالكتاب الاسلامي – (٥ / ٢٣٣)

ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل كان للقيم أن يبني فيها بيوتا فيؤاجرها لأن الاستغلال بهذا الوجه يكون أنفع للفقراء.

(١٠)الفتاوى الهندية – (٢ / ٤١٧).

متولي المسجد إذا اشترى بمال المسجد حانوتا أو دارا ثم باعها جاز إذا كانت له ولاية الشراء، هذه المسألة بناء على مسألة أخرى إن متولي المسجد إذا اشترى من غلة المسجد دارا أو حانوتا فهذه الدار وهذا الحانوت هل تلتحق بالحوانيت الموقوفة على المسجد؟ ومعناه أنه هل تصير وقفا؟ اختلف المشايخ رحمهم الله تعالى قال الصدر الشهيد: المختار أنه لا تلتحق ولكن تصير مستغلا للمسجد كذا في المضمرات.

(١١)الدر المختار– (٤/ ٥٦٠)

وأما الدلال فإن باع العين بنفسه بإذن ربها فأجرته على البائع وإن سعى بينهما وباع المالك بنفسه يعتبر العرف وتمامه في شرح الوهبانية.

(١٢)وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) – (٤ / ٥٦٠)

(قوله: فأجرته على البائع) وليس له أخذ شيء من المشتري؛ لأنه هو العاقد حقيقة شرح الوهبانية وظاهره أنه لا يعتبر العرف هنا؛ لأنه لا وجه له. (قوله: يعتبر العرف) فتجب الدلالة على البائع أو المشتري أو عليهما بحسب العرف جامع الفصولين.

(١٣)درر الحكام في شرح مجلة الأحكام – (١ / ٢٧٢)

مصارف الدلالة – إذا باع الدلال مالا بإذن صاحبه تؤخذ أجرة الدلالة من البائع ولا يعود البائع بشيء من ذلك على المشتري لأنه العاقد حقيقة وظاهره أنه لا يعتبر العرف هنا لأنه لا وجه له أما إذا كان الدلال مشى بين البائع

(جاری ہے۔۔۔)

والمشتري ووفق بينهما ثم باع صاحب المال ماله ينظر فإن كان مجرى العرف والعادة أن تؤخذ أجرة الدلال جميعها من البائع أخذت منه أو من المشتري أخذت منه أو من الاثنين أخذت منهما " انظر المادة ٤٥"

(١٤)الفتاوى الهندية – (٢ / ٤٨٠)

في فتاوى أبي الليث – رحمه الله تعالى – رجل جمع مالا من الناس لينفقه في بناء المسجد فأنفق من تلك الدراهم في حاجته ثم رد بدلها في نفقة المسجد لا يسعه أن يفعل ذلك.

(١٥)وفى الخلاصة – (٤/٤٢٣)

واما اقراض مافضل من الوقف، قال فى وصايا النوازل: رجوت أن يكون ذلک واسعا اذا کان احرز للغلة من امساکه، فان فضل من غلته فصرف الفضل فى حوائجه على أن يرده اذا احتاج الى العمارة، قال لا يفعل ذلک و يتنزه غاية التنزه، فان فعل مع ذلک ثم انفق فيه ان ذلک يبرأ عما وجب عليه.

(١٦)وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) – (٥ / ٤١٨)

(قوله: لا يقرض الأب) أي في أصح الروايتين فتح قال في البحر: وفي خزانة الفتاوى الصحيح أن الأب كالقاضي فقد اختلف التصحيح، والمعتمد ما في المتون وشمل ما إذا أخذ مال ولده الصغير قرضا لنفسه وهو مروي عن الإمام، وقيل له ذلك ولم أر حكم الجد في جواز إقراضه على رواية جوازه للأب، والظاهر أنه كالأب لقولهم الجد أبو الأب كالأب إلا في مسائل واختلفوا في إعارة الأب مال ولده الصغير وفي الصحيح لا اهـ.

(قوله: ولا الوصي) فلو فعل لا يعد خيانة فلا يعزل به، وكذا ليس له أن يستقرض لنفسه على الأصح.

(١٧)البحر الرائق، دارالكتاب الاسلامي – (٥ / ٢٥٩)

قال في جامع الفصولين ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله ولا إقراضه فلو أقرضه ضمن وكذا المستقرض وذكر أن القيم لو أقرض مال المسجد ليأخذه عند الحاجة وهو أحرز من إمساكه فلا بأس به وفي العدة يسع المتولي إقراض ما فضل من غلة الوقف لو أحرز. اهـ.

(جاری ہے---)

Scanned by CamScanner

(١٨)تنقيح الفتاوى الحامدية – (٧ / ٣٢٤)

(سئل) في الوصي إذا أقرض مال اليتيم من آخر فهل يضمنه إذا هلك ؟

(الجواب) : نعم ، وفي الخانية : ولا يملك الوصي إقراض مال اليتيم فإن أقرض كان ضامنا ، والقاضي يملك الإقراض.

..................والله تعالى أعلم بالصواب

عبدالوہاب عفااللہ عنہ

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

5/جمادی الاولی/1436ھ